24-03-2018

خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری

خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی اجمیری رحمہ اللہ تعالی برصغیر ہند میں تصوف کے سلسلۂ چشتیہ کے بانی ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ حضرت ابواسحاق شامی کی طرف منسوب ہے، جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی کے توسط سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ہرات کے قریب چشت نامی ایک گاؤں ہے اور چشتی اسی کی طرف منسوب ہے، عام طور پر انہیں سَنجری کہا جاتا ہے لیکن اُن کے وطنِ مالوف سِجستان کی طرف نسبت کے حوالے سے صحیح لفظ سِجز ہے۔ خواجہ معین الدین حسن سجزی کا سلسلۂ بیعت وخلافت خواجہ عثمان ہارونی (بعض روایات میں ہرَوَنی) سے ہے، ہارون یا ہرَوَن ایک قصبے کا نام ہے۔ خواجہ اجمیری نے حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالی کے مزار پر مراقبہ کیا اور یہ شعر انہی کی طرف منسوب ہے:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا　　　　ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

خواجہ معین الدین سلطان شہاب الدین محمد غوری، جن کا اصل نام مُعز الدین محمد غوری تھا، سے پہلے اجمیر پہنچے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے پرتھوی راج کے زمانے میں اپنی خانقاہ بنائی۔ لفظِ خانقاہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ''خوانگاہ'' کا مُعرَّب ہے اور اس کے معنی ہیں: ''کھانے کی جگہ''، یعنی جہاں فقراء اور مسافروں کے لیے لنگر کا انتظام ہو اور بعض نے اسے ''خان اور قاہ'' سے مُرکب مانا ہے، اس کے معنی ہیں: ''عبادت اور دعا کی جگہ''۔ دراصل ''خانقاہ'' سے مراد وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والے باصفا بندے دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر اللہ تعالی کے ذکر و فکر میں مشغول رہیں، اسی کو قرآن مجید میں ''تَبتُّل'' سے تعبیر کیا گیا ہے ، ''تَبتُّل'' کے معنی ہیں: سب سے کٹ کر اپنی توجہ خالص اللہ تعالی کی طرف مبذول کیے رکھنا، ارشادِ باری تعالی ہے: ''اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اُسی کے ہو رہیں، (المُزَمِّل :08)''۔

صوفیائے کرام سب سے پہلے توبہ کے ذریعے سالک کے قلب کو پاک کرتے ہیں اور پھر اس پر اللہ تعالی کی جَلالت اور محبت کا نقش ثبت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نیا اور پائیدار رنگ چڑھانے کے لیے سب سے پہلے لوحِ قلب کو پاک کرنا ضروری ہے تاکہ دنیا اور علائقِ دنیا یعنی ماسوی اللہ ہر چیز کی محبت کے غلبے سے دل پاک ہو جائے اور اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے غلبۂ محبت کا شائبہ نہ رہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، (الاحزاب :04)''، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کے دل میں شیطان کا بھی ٹھکانا ہو اور وہ محبتِ الٰہی کا بھی مرکز بنا رہے۔ توبہ کے بعد انسان ایک نئی روحانی زندگی میں داخل ہوتا ہے اور ماضی کے گناہوں سے آلودہ زندگی سے رشتہ توڑ دیتا ہے، چنانچہ مشائخِ چشت نے توبہ کی تین قسمیں بتائی ہیں: (ا) ''توبۂ ماضی''، یعنی انسان ماضی کی معصیتوں سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کرے اور اُن کی تلافی کے لیے شریعت نے جو طریقہ بتایا ہے، اس پر کاربند ہو۔ الغرض اللہ اور اس کے بندوں کے تمام حقوق جو اُس نے پامال کیے ہیں، اُن پر دل سے نادم ہو اور شریعت کے اَحکام کے مطابق

اُن کی تلافی کرے، ورنہ صرف زبانی توبہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ (۲) ''توبۂ حال'' اس سے مراد یہ ہے کہ بندۂ مومن کا حال اِطاعتِ الٰہی اور اِطاعتِ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائے۔ (۳) ''توبۂ مستقبل'' اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی تعلیمات پر پورے طریقے سے کار بند رہنے کا اپنے خالق سے عہد و پیمان کرے۔

خواجہ معین الدین حسن اجمیری کے مکمل حالات ثقہ اور مستند ذرائع سے دستیاب نہیں ہیں، کچھ اُن کے اقوال ہیں اور زیادہ تر اُن کی کرامات ہیں جو واعظین پُراثر انداز میں بیان کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین انہیں سن کر روحانی سرور حاصل کرتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے تذکرے کا بنیادی مقصد تو اُن کی سیرت و کردار اور شِعار پر عمل کرنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اُن کی اتباعِ سنت اور عزیمت واستقامت کی زندگی کو اپنے لیے مشعلِ راہ اور نمونۂ عمل بنائیں۔ خواجہ صاحب جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو وہاں کے سماج میں ذات پات کا نظام تھا، کچھ لوگ ''اَچھوت'' کہلاتے تھے، یعنی انہیں اتنا حقیر اور قابلِ نفرت سمجھا جاتا تھا کہ ان سے خدمت تو لی جاتی تھی، مگر اُن سے بدن کا مَس (Touch) ہونا بھی گوارا نہ تھا۔ ہندو سماج چار ذاتوں میں منقسم تھا، ان میں برہمن سب سے اعلیٰ اور شُودَر سب سے حقیر ذات تھی، انگریزوں نے ان کے لیے Scheduled Cost کی اصطلاح وضع کی تھی، یعنی پست ذاتوں کے نام ایک الگ فہرست میں درج کر رکھے تھے، آج کل ہندوستان میں انہی کو دَلت کہا جاتا ہے۔ قرآن نے اِن زیردست اور کمزور طبقات کو ''مُسْتَضْعَفِیْن'' (Oppressed Class) سے تعبیر فرمایا ہے۔

صوفیائے کرام کا شِعار یہ رہا ہے کہ انہوں نے سماج کے اِن پست طبقات اور دھتکارے ہوئے لوگوں کو انسانیت کا وقار اور احترام عطا کیا، انہیں اپنے ساتھ بٹھایا، انہیں محبت اور اعتماد عطا کیا، جس کی وجہ سے وہ ان کے گرویدہ ہوگئے۔ خواجہ معین الدین حسن اجمیری اور تمام صوفیاءِ کرام کی خانقاہوں میں لنگر کا نظام اسی وجہ سے چلا کہ یہ خانقاہیں غریب اور نادار طبقات کے لیے دارالکفالت کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انہوں نے ایسے انسانوں کو، جو اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بتوں کے آگے سجدہ ریز تھے یا انہوں نے اپنے دل و دماغ میں خیالی معبود سجا رکھے تھے، اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کی معراج عطا کی۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں اکثریت انہی کمزور طبقات کے لوگوں کی ہوتی تھی، چنانچہ قیصرِ روم نے سید المرسلین ﷺ اور آپ کی تعلیمات کی بابت جاننے کے لیے اپنے دربار میں مکہ کے تجارتی قافلے کے سربراہ ابوسفیان کو طلب کیا اور اس وقت اُن کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اُس میں قیصر نے ابوسفیان سے پوچھا: اس مدعیِ نبوت پر ایمان لانے والے زیادہ تر کون لوگ ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا: یہ کمزور طبقات کے لوگ ہیں۔ قیصر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تمام انبیائے کرام کے اولین پیروکار ہمیشہ کمزور طبقات کے لوگ رہے ہیں۔

یہ فطری بات ہے کہ باطل مذہب کے نام پر جن طبقات نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہوتی ہے، وہ اپنی مراعات اور برتر سماجی حیثیت سے دست بردار ہونے کے لیے آسانی سے آمادہ نہیں ہوتے اور ہمیشہ حق کی مزاحمت کرتے ہیں، یعنی وہ اسٹیٹس کو کے محافظ ہوتے ہیں، کیونکہ اس میں ان کا اپنا طبقاتی مفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر مکے کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: چلیے! ہم آپ کی بات سن لیتے ہیں، لیکن آپ کے اردگرد جو زیردست طبقات کے لوگ ہیں، جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، کیونکہ اِن کا ہمارے برابر بیٹھنا ہمارے شایانِ شان نہیں ہے، یعنی انہوں نے دین کی بات سننے کے لیے بھی

خصوصی سماجی حیثیت کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ لوگ کسی بہانے اللہ کے پیغامِ ہدایت کو سن لیں، سو آپ کے دل میں خیال آیا کہ ان کی یہ حُجت بھی پوری کر دی جائے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھیں جو صبح شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور آپ اپنی نگاہِ التفات کو اُن سے نہ ہٹائیں، (الکہف:28)''۔

پس خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا اندازِ دعوت و تبلیغ اِسی شعارِ نبوت کے مطابق تھا۔ آپ نے ہندو سماج میں انسان کی بے توقیری کے باطل مذہبی نظریے کو دعوتِ اسلام کی ترویج کے لیے اپنی طاقت میں تبدیل کر دیا اور اسی باعث وہ مرجعِ خلائق بن گئے۔ تاریخِ انسانیت شاہد ہے کہ جب انسانوں کے کمزور طبقات کو ایمان اور عقیدے کی روحانی طاقت ملتی ہے، تو اُن کا ضعف قوت میں بدل جاتا ہے اور وہ ناقابلِ شکست ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کا بالائی طبقہ جو مادّی طاقت اور ظاہری اسباب کے زُعم میں رہتا ہے، وہ وقت آنے پر ایمان اور عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ مسجد نبوی میں صُفّہ کے مکتبِ نبوت اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس قدرِ مشترک ہے اور اس کی معراج یہ ہے کہ دنیا اپنی تمام تر چکا چوند اور آب و تاب کے باوجود صاحبِ ایمان و عرفان کی نظر میں بے توقیر قرار پاتی ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے حارثہ! تو نے کیسے صبح کی؟، انہوں نے عرض کیا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرا ایمان یقینِ کامل کے درجے میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تو تمہارے اِس دعوے کی حقیقت کیا ہے؟، انہوں نے عرض کیا: میں نے اپنے نفس کو دنیا (کے غلبۂ محبت) سے لاتعلق کر لیا، تو (اب) میرے نزدیک اس دنیا کا پتھر اور سونا، چاندی اور ڈھیلا (بے توقیری میں) برابر ہو گئے ہیں، میں نے اپنی راتیں بیدار رہ کر (اللہ کی عبادت میں) گزاریں اور دن میں (روزہ رکھ کر) اپنے اوقات پیاس میں گزارے، تو اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں عرشِ الٰہی کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور میں اہلِ جنت کو (خوش و خرم) ایک دوسرے کے ساتھ ملاقاتیں کرتے ہوئے اور اہلِ جہنم کو (شدتِ عذاب کے باعث) فریادیں کرتے ہوئے سن رہا ہوں (یعنی غیبی حقائق مجھ پر منکشف ہونے لگے ہیں)، (مجمع الزوائد للہیثمی :57/1)''۔

چنانچہ خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری نے فرمایا: صفائے قلب، اخلاص و رضا اور للّٰہیت کی معراج یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں سمندر جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت اور زمین جیسی تواضع پیدا ہو جائے، یعنی سمندر اور آفتاب کی طرح اُس کا فیض اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کے بغیر سب کے لیے عام ہو اور اس فیض رسانی میں تکبر اور احسان جتلانے کا شائبہ نہ ہو، بلکہ زمین جیسی تواضع ہو جو اپنا سینہ سب کے لیے کشادہ رکھتی ہے اور کسی کو محروم نہیں رکھتی۔

(روزنامہ دنیا نیوز، 24 مارچ 2018)